والسلام۔ خاکسار
عتیق سنبھلی

(۲)

۱۲فروری ۲۰۰۴۔ جمعرات
۲۴/۱۲/۲۰

محترم پروفیسر میاں انعام الرحمٰن مدظلکم ومتعنا اللہ بکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ علیٰ کل حال

آپ کا فکر انگیز مقالہ ''ارضی نظام کی آسمانی رمز'' ماہنامہ 'الشریعہ' گجرانوالہ کے جنوری/فروری ۰۴ کے شمارے میں نظر سے گزرا۔ ذاتی طور پر میں اس بیش بہا تجزیاتی تحریر کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس سلسلے میں بعض باتیں عرض کرنی ہیں جنھیں میں بلا کم وکاست، گو مختصراً، عرض کیے دے رہا ہوں، لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس میں تنقید کا کوئی پہلو ہرگز نہیں۔ یوں بھی آپ ایک ذی وقار معلم ہیں اور معلم کا وقار، معلم انسانیت ﷺ کے فرمان کے مطابق بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔

ہم ایک علم دشمن، ہنر گریز، فن بیزار، تحقیق ناآشنا مگر جہل خود سند ملت ہیں۔ ہمارا اجتماعی جہل اب مستند ترین ہے۔ ملی فضائے بسیط پر طاری وساری اس مایوسی کے اندھیاروں میں اگر کہیں سے بھی امید کی کوئی کرن نظر آجاتی ہے تو امید وبیم کی کشمکش میں سانس کچھ تیز سی چلنے لگتی ہے۔ فکر ونظر کی یہ جاں بخش روشنیاں کچھ 'الشریعہ' ہی میں نظر آتی ہیں۔ عرصہ ہوا، دینی اداروں کے جرائد کو چھونے سے بھی توبہ کر رکھی تھی کہ ان میں سوائے بھس کے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مرد قلندر، جناب زاہد الراشدی سلمہم اللہ کو سلامت رکھیں جن کی جرات رندانہ نے اس رسالہ کا ''فورم'' قائم کیا۔ میں آپ کے مضمون کے لیے اور اسی بنا پر 'الشریعہ' کی ندرت فکر کے لیے اللہ تعالیٰ کا اور آپ حضرات کا شکر گزار ہوں۔ میں کون ہوں، اس وضاحت کی کم از کم فی الحال فوری ضرورت لاحق نہیں۔ آپ کے در پر یہ دستک تو ملت کے ایک فرد کی طرف سے کچھ معروضات پیش کرنے کے لیے ہے۔

آپ کا یہ تجزیاتی مضمون حقائق کا مرقع ہے اور اپنی طرز کا نادر بھی۔ لیکن اس کی زبان اور اس کی انشا پر کاملاً انگریزی طرز نگارش کی چھاپ ہے۔ اس قسم کے تجزیاتی مضامین کی آج کے دور میں بے حد ضرورت ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ وہ دینی درس گاہوں سے فارغ طبقہ ہو کہ کالجز اور یونیورسٹیز کا، علم کے اس بحر زخار کی غواصی تو کیا کر پائے، کنارے کنارے بھی نہیں شناوری کر سکے گا۔ ذاتی طور پر چونکہ یہ بندۂ عاجز وبے نوا کئی زبانوں سے علاقہ رکھتا ہے، اس مضمون سے نہ صرف بہرہ ور ہوا بلکہ اس دھنک نے آنسوؤں کے تار دامن میں بھر دیے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔ لیکن میں نہایت عاجزی سے التماس کروں گا کہ اس پر غور فرمایا جائے کہ آپ کی انشا ایسی ہو کہ ہمارے دینی مدارس کے اساتذہ استفادہ کر سکیں۔ ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی۔

آپ جدید علوم سے، خاص طور پر جدید علم سیاسیات، معاشرتی علوم، نفسیات اور علم تاریخ کے ابواب میں خاص طور

پرثروت مند ہیں۔ادب وشاعری کے میدانوں کے شہسوار ہیں۔ میں عمر کی اڑسٹھ سیڑھیاں طے کر چکا ہوں۔ جدید وقدیم علوم کے نامور قسم کے حاملین سے واسطہ رہتا ہے۔ میں اس تہی دامن ملت کا فرد ہوں۔ گھوڑا اور میدان ہر دو کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ بس اتنا ہی عرض کروں گا کہ کچھ نہ کہنا بہتر ہے کیونکہ ہونٹ بھی اپنے ہیں اور دانت بھی اپنے ہی ہیں۔

میری گزارش ہے کہ اپنی تحریر کو بالخصوص ہمارے علما کو سامنے رکھ کر لکھیے۔ اس طبقے کو ۹۵ فیصد حضرات اردو ادب سے قطعی نابلد ہیں۔ آپ ذرا ان کی تصنیفات ہی دیکھ لیں۔ گھر کی بولی میں فارسی کے رستے زخم اور عربی کے گومڑ ٹانک دینے کو اردو نہیں کہا جا سکتا۔ جدید علوم سے یہ حضرات اس وحشت کی حد تک نابلد ہیں کہ ان کتابوں کو چھو بھی لیں تو انہیں ذہنی احتلام ہو جاتا ہے، جبکہ جدید طبقہ --- جی ہاں، اس عاجز سے ملنے کئی پی ایچ ڈی حضرات بھی آتے ہیں--- مطالعہ سے بے بہرہ، انگریزی ایسی کہ انگریز اپنی قبر میں بے چین ہو جائے، اور اردو! میرا خاموش رہنا بہتر ہے۔ مگر ان حضرات پر کیا دوش؟ ہم نے دو نسلوں سے پڑھایا کیا ہے؟

تلاش ذات، ثقافتی اپج، ظرافت بطور قدر، حضوری، یہ معاشرے کی تشکیل کے وہ عناصر ہیں جن کے ذکر سے قرآن کریم اور حدیث مبارک کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ تاریخ کا شعور سب سے بڑی بات ہے۔ قرآن کریم تو ہے ہی تاریخ عروج وزوال امم اور قانون عروج وزوال امم۔ آپ کا مضمون پڑھتے ہوئے عرب پروفیسر محمد عثمان نجاتی کی عربی تصانیف 'القرآن وعلم النفس' اور 'الحدیث النبوی وعلم النفس' کے مندرجات کارواں در کارواں یادوں کے افق سے گزرنے لگے۔

دنیا میں جہاں کہیں جمال نظر آتا ہے، میاں جی جان کائنات طٰہٰ سیاں ﷺ کے جمال جہاں آرا کا صدقہ ہے۔ آپ کا مضمون آپ کی جمالیاتی حس کے اعلیٰ وارفع ہونے کا غماز ہے۔ میاں جی سیاں ﷺ ہی کا حکم ہے: 'کلموا الناس علی قدر عقولھم' (Talk to the people on their level of intelligence.) اس لیے اگر آپ ان تجزیاتی نکات کو، نوبت بہ نوبت، علما کو اور جدید طبقہ کو سامنے رکھ کر دوبارہ لیکن نئے مضامین کے روپ میں لکھیں اور سبک وسلیس مثالیں، بطور توضیح، دے دیا کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہر قاری کی فکر میں نئے دریچے کھلیں گے۔ صدیاں گزریں، من حیث الملت ہماری فکر کے دریچے کچھ یوں بند ہیں کہ پچھلا سرمایہ بھی کائی اور پھپھوند آسودہ ہے (آلودہ تو معمولی بات ہے) ۔ 'جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود' کتنا سچ ہے۔

؎ آنکھیں سوکھی ہوئی ندیاں ہو گئیں اور طوفان بدستور آتے رہے

کے مصداق، دل میں سخن ہائے گفتنی کا ایک طوفان برپا ہے، لیکن میں نے اپنے ذہن ودل اور قلم کو اس پر راضی کر لیا ہے کہ وہ مندرجہ بالا گزارش پر ہی اکتفا کر لیں۔ آخر میں، مجھے یقین ہے کہ آپ اس تحریر کو تنقید پر محمول نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی فکر ونظر کو بلندیاں عطا فرماتا رہے۔ آمین

فقط والسلام۔ العبد العاجز
سید عماد الدین قادری
گلشن معمار۔ کراچی